حق المرافعہ

اسلام میں حق اپیل کا تصوّر

محفوظ احمد، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات)
گورنمنٹ ٹیکنیکل ٹیچرز ٹریننگ کالج فیصل آباد

اسلام میں عدل و انصاف پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر عدل و انصاف نہ ہو تو انسانی معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ امن و سکون کا ختم ہونا لازمی طور پر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے امن شرط اولیں ہے اور حصولِ امن انصاف کے بغیر ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف قائم رکھنے کے متعلق خاص طور پر بار بار تاکید کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

”و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل“[1]

جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔

سورۃ المائدہ میں فرمان الٰہی ہے:

”اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ“[2]

عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

۱؎ نساء: ۵۸

۲؎ مائدہ: ۸

سورۃ نحل میں فرمان الٰہی ہے :

"ان اللہ یأمر بالعدل" [1]

اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے ۔

اسلام کے نظامِ عدل میں قاضی کا اہم کردار ہے ۔ بعض جرائم میں اسلام نے سزاؤں کو متعین کر دیا ہے اور بعض جرائم میں سزاؤں کو قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ چونکہ انسان خطا کا پتلا ہے اس لیے مکمل عدل و انصاف کی فراہمی کے لیے اسلام نے فریقین مقدمہ کو قاضی کے کئے ہوئے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق دیا ہے تاکہ فریقین حصولِ حق میں بے اطمینانی کا شکار نہ ہوں اور اس بے اطمینانی سے معاشرہ فساد کا شکار نہ ہو جائے ۔

مرافعہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

مرافعہ کا لفظ ر ۔ ف ۔ ع سے بنا ہے ۔ عربی لغت میں "رفع" بلندی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ اس کا متضاد "وضع" ہے اسی سے رافع اور مرافعہ ہے ۔ کہا جاتا ہے ۔

"قربۃ من الحاکم وقدسہ الیہ لیحاکمہ" [2]

یعنی بادشاہ کے پاس جانا تاکہ اس سے فیصلہ کرایا جائے ۔

قاموس المحیط میں ہے :

"دافعہ الی الحاکم" [3]

یعنی اس نے حاکم سے اپیل کی ۔

تاج العروس میں ہے :

"رافع الی الحاکم رفعا لیحاکمہ" [4]

---

[1] نحل : ۹۰

[2] ابن منظور ، لسان العرب ، دار صادر ، بیروت ، ۱۴۰۰ھ ، ج ۸ ، ص ۱۳۰

[3] نخبۃ من اساتذہ ۔ القاموس العصری الجدید ، دار الفکر ، بیروت ، ۱۹۷۸ء ، ص ۳۳

[4] مجد الدین فیروز آبادی ، القاموس المحیط ، دار الفکر ، بیروت ، ج ۳ ، ص ۳۰

زبیدی ، تاج العروس ، مطبعۃ الخیریہ ، مصر ، ۱۳۵۶ھ ، ج ۵ ، ص ۳۵۸

اس نے حاکم سے اپیل کی تاکہ وہ اس سے فیصلہ کرائے۔
ان تمام مفاہیم کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی میں مرافعہ کا مطلب ہے حاکم کے فیصلے کیلیے جانا۔
عربی میں اپیل کے لیے اگرچہ مرافعہ، استشہاد، استغاثہ، استیناف اور التجا کے الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں لیکن ان میں مرافعہ کا لفظ اپیل کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے[1]

- فقہار کے نزدیک مرافعہ کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ ایک قاضی کے فیصلے کے خلاف دوسرے قاضی (جسے مروجہ قانون میں مرافعہ کی سماعت کا اختیار دیا گیا ہو) کی عدالت میں اس شخص کا جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو اس مقصد کے لیے جانا کہ وہ قاضی اوّل کے فیصلے کو قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھے۔ اگر اس میں کوئی شرعی وفنی خرابی ہے تو اس کے حکم پر عملدرآمد روک دے۔ بصورت دیگر اس حکم کو نافذ کر دے[2]

المرافعہ کا قرآن وحدیث سے تصوّر

قرآن پاک میں المرافعہ (حق اپیل) کا ذکر واضح طور پر موجود نہیں البتہ ایسا اشارہ موجود ہے جسے مرافعہ کی اصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ سورۃ الانبیار میں حضرت داؤد وحضرت سلیمان علیہما السلام کی خدمت میں پیش کیئے گئے ایک مقدمے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

داؤد وسلیمان اذ یحکمٰن فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شٰهدین ۰ ففهمنٰها سلیمٰن وکلًّا اتینا حکمًا وعلمًا ۰ وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فٰعلین[3]

ترجمہ: (یاد کرو) داؤد وسلیمان علیہما السلام کو جب وہ ایک کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ جب ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت چھوٹ گئیں۔ ہم

---

[1] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، دار الہلال، بیروت، (ت-ن) ج ۱، ص ۲۴۹
[2] مرغینانی - ہدایہ محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، ج ۳، ص ۱۴۱
[3] الانبیار ۷۸، ۷۹ -

ان کے فیصلے کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ پس ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو وہ معاملہ سمجھا دیا۔ ان سب کو ہم نے حکم و علم بخشا تھا۔ اور ہم نے پرندوں و پہاڑوں کو داؤد (علیہ السلام) کا فرمانبردار بنا دیا۔ وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے اور یہ شان ہم دینے والے ہیں۔

مفسرین کرام نے اس مقدمہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔ کہ ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کھیت میں گھس گئیں اور اُسے اجاڑ کر رکھ دیا کھیت والا دادرسی کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بکریوں کے مالک کو بھی بلا لیا۔ دونوں کے بیان سن کر آپ نے یہ فیصلہ دیا کہ۔

بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے کیونکہ کھیت کا جو نقصان ہوا تھا وہ ان بکریوں کی قیمت کے تقریباً لگ بھگ تھا۔

یہ دونوں (مدعی اور مدعا علیہ) عدالت سے جب واپس ہوئے تو دروازے پر حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام جن کی عمر اس وقت گیارہ برس تھی[۱] سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فیصلے کی بابت پوچھا تو فریقین نے فیصلہ بتایا۔ فیصلہ سُن کر آپ نے فرمایا اگر میں اس مقدمے کا فیصلہ کرتا تو فیصلہ وہ ہوتا جو فریقین کے لیے مفید اور نافع ہوتا۔ آپ نے یہی بات حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جا کر کہی آپ نے پوچھا تم کیا فیصلہ کرتے۔

آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک اس کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ کھیت والے کو تمام بکریاں دے دیں تاکہ وہ ان سے دودھ اور اُون وغیرہ کا فائدہ اٹھائے اور کھیت کی زمین بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیں تاکہ وہ اُسے کاشت کر کے اُگائے جب یہ کھیت اسی حالت پر آ جائے جس حالت پر بکریوں نے کھایا تو کھیت والے کو کھیت اور بکریوں والے کو بکریاں واپس دلوا دیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلے کو پسند فرمایا اور کہا کہ اب یہی فیصلہ رہنا چاہیے آپ

---

[۱] جار اللہ محمود زمخشری، تفسیر الکشاف، دار الکتاب، بیروت، ج ۳، ص ۱۲۸

ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) انتشارات ناصر خسرو، ایران ۱۹۶۷ء ج ۱۱ ص ۳۰۸۔

نے فریقین کو بلا کر دوسرا فیصلہ نافذ کر دیا۔[۱]

اس واقعہ میں اگرچہ مروجہ اپیل کا طریق کار نظر نہیں آتا کیونکہ فریقین نے فیصلے کے خلاف باقاعدہ اپیل نہیں کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ امتی اپنے نبی کے فیصلے کے خلاف اپیل نہیں کر سکتا بلکہ ہر امتی کو اپنے نبی کا ہر فیصلہ تسلیم کرنا لازمی ہوتا ہے۔

اس فیصلہ میں مرافعہ تو ہوا ہی نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السّلام اس وقت نبی تھے جبکہ سلیمان علیہ السّلام کا اس وقت تک اعلان نہیں ہوا تھا۔

البتہ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ہی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی اور اپنے بیٹے کے فیصلے کو اپنے فیصلے سے اقرب الی الصواب قرار دیا اور اس کو نافذ کیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ ایک بار دو عورتیں کسی سفر میں تھیں ان کے ہمراہ ان کے بچے بھی تھے دوران سفر ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک عورت کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ دونوں میں سے ایک عورت نے کہا کہ بھیڑیا تیرے بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا نہیں بھیڑیا تیرے بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔

اب یہ دونوں عورتیں اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السّلام کے پاس آئیں۔ آپ نے ان دونوں کے بیانات سن کر یہ فیصلہ دیا کہ بچہ بڑی عورت کو دیا جائے۔

پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس گئیں اور آپ کو حضرت داؤد علیہ السّلام کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ آپ نے اس کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا۔

"ایتونی بالسکّین اشقّہ بینھما"

میرے پاس چھری لاؤ میں اس بچے کو کاٹ کر تم دونوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

آپ کا یہ فیصلہ سن کر چھوٹی عورت نے کہا ایسا نہ کرو اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے (جب کہ بڑی عورت خاموش رہی) آپ نے فرمایا نہیں یہ بچہ تمہارا ہی ہے۔ اور آپ نے وہ بچہ چھوٹی عورت کے حوالے کر دیا۔[۲]

---

[۱] فخرالدین رازی، تفسیر کبیر، شرکت صحافی (مقام و تاریخ اشاعت نامعلوم) ج ۲۲، ص ۱۹۵

[۲] امام بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ووھبنا لداؤد سلیمان) نور محمد کارخانہ کتب، کراچی، ۱۳۵۷ھ، ج ۱، ص ۴۸۷

اس روایت میں مروجہ اپیل کے تصور کی قدرے نشاندہی ملتی ہے۔ لیکن یہ بات یہاں بھی پیش نظر رکھنا ہوگی کہ چونکہ پہلے واقعہ سے حضرت داؤد علیہ السّلام کی امت کو یہ آگاہی ہو چکی تھی کہ آپ حضرت سلیمان کی وجہ سے اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کر لیتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السّلام کی طرح حضرت سلیمان علیہ السّلام بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اس لیے ان عورتوں نے پہلے حضرت داؤد علیہ السّلام کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اور پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس آئیں۔

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس خواتین کا اپنا مقدمہ لے کر جانے اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے خلاف فیصلہ دینے کی وجہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"کان فی شرعهم فسخ الحکم اذا رفعه الخصم الی الحاکم اخر یری خلافه"[1]

حضرت داؤد علیہ السّلام کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ ایک حاکم کے فیصلے کے خلاف دوسرے حاکم کے پاس اپیل کی جائے جب کہ وہ فریق اس فیصلے کو حقیقت کے مطابق نہ دیکھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ اور اس کے مضافات کے تمام مقدمات کا فیصلہ خود فرماتے تھے اور اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح میں اسی لیے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے

"باب ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن له بواب"[2]

یعنی یہ باب اس ذکر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کوئی دربان نہ تھا۔

البتہ جب سلطنت اسلامیہ کو وسعت ملی اور انتظامی امور بڑھ گئے تو آپ نے مدینہ منورہ

---

[1] ملا علی قاری، مرقاۃ شرح المشکوۃ، باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء، مکتبہ امدادیہ، ملتان (ت، ن) ج ۱۱، ص ۲۸۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، ج ۲، ص 1059

میں بھی چند مفتی مقرر کئے جو افتاء کے علاوہ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے البتہ ان فیصلوں کی مرافعات (اپیلیں) آپ کی عدالت میں ہوتی تھیں۔ التراتیب الاداریہ میں ہے۔

"کان یفتی فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان، علی و عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ۔۔۔۔۔۔"[1]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم فتویٰ دیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجیے دوسرا جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا اس نے بھی یہی کہا لیکن اس نے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہو تو اس نے کہا۔

میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا میں نے ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کی طرف سے صدقہ کیا۔ پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو دُرّے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی عورت سنگسار کی جائے گی یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لاقضین بینکما بکتاب اللہ المائۃ الشاۃ والخادم ردّ علیک وعلی ابنک جلد مائۃ وتغریب عام و اغد یا انیس علی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا فغدا علیھا فاعترفت فرجمھا"[2]

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارا فیصلہ کروں گا۔ اے شخص سو بکریاں اور تیری لونڈی تجھے واپس ملیں گی۔

---

[1] عبد الحی کتانی، التراتیب الاداریہ، دار الفکر، بیروت (ت، ن) ج ۱، ص ۵۶

[2] امام بخاری، الجامع الصحیح (کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا) ج ۲، ص ۱۰۰۸

اور تیرے بیٹے کو سو درے لگیں گے اور سال بھر کے لیے شہر بدر کیا جائے گا۔ پھر آپ نے انیسؓ بن ضحاک سے فرمایا۔ اے انیسؓ تم صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انیسؓ اس کے پاس گئے تو پوچھنے پر اس نے زنا کا اعتراف کیا پھر انیسؓ نے اس عورت کو سنگسار کیا۔

اس روایت میں صرف مدینہ کے اہل علم کے فتویٰ کے خلاف اپیل کا ذکر ہے کیونکہ انھوں نے اس مقدمہ میں بطور مفتی ہی کے فیصلہ صادر کیا نہ کہ فوجداری مقدمہ کا جج سمجھ کر۔ البتہ مدینہ منورہ کے علاوہ جن علاقوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل یا قاضی مقرر کیے تھے ان کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں آپؐ ہی کی عدالت میں ہوتیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی مملکت کے وسیع ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ عاملیں مقرر کیے تھے[1] چند مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص جن کا تقرر ان دنوں بطور عامل عمان کیا گیا تھا کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا آپ نے ان کے درمیان فیصلہ کیا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپیل کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا:

"اذا قضی القاضی فاجتهد فاصاب فله عشرة اجور واذا اجتهد فاخطاء کان له اجر او اجران[2]"

جب قاضی اجتہاد سے درست فیصلہ کرتا ہے تو اُسے دس اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے غلط فیصلہ کرے تو اُسے ایک یا دو اجر ملتے ہیں۔

ایک اور روایت جس میں صراحت کے ساتھ اپیل کا ذکر ہے ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے روایت ہے کہ حضرت علیؓ عہد رسالت میں یمن کے عامل مقرر کیے گئے۔ تو آپ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک آدمی نے شیر کا شکار کرنے کے لیے ایک کنواں کھودا۔ شیر کو دیکھنے کے لیے چار آدمی

---

[1] شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۴ء ج ۲، ص ۴۵

[2] امام احمد، مسند، دار صادر، بیروت (ت۔ن) ج ۴، ص ۱۸۷

کنویں پر بیٹھ گئے اتفاق سے ایک شخص کنویں میں گرنے لگا تو اس نے دوسرے کو پکڑ لیا دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو۔ اس طرح چاروں ہی کنویں میں گر گئے۔ شیر نے ان چاروں کو زخمی کر دیا اور وہ مر گئے۔

اب پہلے شخص کے ورثا دوسرے شخص کے ورثا سے دیت پر جھگڑنے لگے۔ پھر وہ مقدمہ لے کر حضرت علیؓ کے پاس آئے آپ نے فریقین مقدمہ کی باتوں کو سُن کر یہ فیصلہ دیا۔

"اجعل الدیة علی من حضر رأس البئر نجعل للاول الذی هو فی البئر ربع الدیة ولثانی ثلث الدیة ولثالث نصف الدیة ولرابع الدیة الکاملة"

یعنی پہلے شخص کے لیے چوتھائی دیت (کیونکہ دوسرے شخص نے اس کے اوپر گر کر اُسے ہلاک کیا دوسرے کے لیے تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے مکمل دیت وہ ادا کرے۔

پھر ان لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں اپیل کی۔ آپ نے مقدمے کی تفصیل سُن کر حضرت علیؓ کے فیصلے کو ہی برقرار رکھا[1]

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے نظام قضاء میں ایک قاضی کے فیصلے کو ہی حتمی قرار نہیں دیا گیا بلکہ قاضی اوّل کے فیصلے کے خلاف دوسرے فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ اس فیصلے کے خلاف اس سے اعلی عدالت میں رجوع کرے۔

عدالت ہائے اپیل

اسلام میں اپیل کے تصوّر کے اثبات کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ یہ اپیل کن عدالتوں میں کی جا سکتی ہے۔ کتب فقہ میں اس ضمن میں تین عدالتوں کا ذکر ملتا ہے۔

اوّل: قاضی فیصل کی عدالت۔

---

[1] محمد بن خلف وکیع، اخبار القضاۃ۔ عالم الکتب، بیروت (ت۔ن) ج ۱، ص ۹۶-۹۷
ابوبکر عبد اللہ بن ابی شیبہ، مصنف، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۹۸۶ء، ج ۱۰، ص ۱۷۵-۱۷۶

دوم : عدالت عالیہ ۔
سوم : حاکم وقت کی عدالت ۔

اوّل ۔ قاضی فیصل کی عدالت

اسلام فریقین مقدمہ میں سے ہر ایک فریق کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ وہ فریق اگر چاہے تو اسی قاضی کی عدالت میں اپنے کئے ہوئے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست دے ۔ اس لیے کہ فقہاء نے قاضی کو ان اسباب کی بنا پر اپنے فیصلے سے رجوع کرنے کا اختیار دیا ہے ۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے ۔

"لا یصح رجوع القاضی عن قضائہ الا فی ثلاث لو یعلمہ او ظھر خطأہ او بخلاف مذھبہ"[1]

یعنی قاضی اپنے کئے ہوئے فیصلے سے تین اسباب کی بنا پر رجوع کر سکتا ہے ۔
(۱) فیصلے میں موجود کسی خطا کا اُسے علم ہو جائے ۔ (۲) فیصلے میں خطا ظاہر ہو جائے ۔
(۳) اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ ہو جائے ۔

ان اسباب کی بنا پر قاضی خود بھی اپنے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے یا اگر وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو وہ دیکھے کہ قاضی نے جو فیصلہ دیا ہے اس میں ان اسباب میں سے کوئی ایک سبب موجود ہے ۔ تو وہ بھی نظر ثانی کے لیے اسی قاضی کے ہاں درخواست دے سکتا ہے ۔

دوم ۔ اعلیٰ عدالت یا عدالت عالیہ

دوسری عدالت جہاں فریق مخالف اپنے فیصلے کے خلاف اپیل کر سکتا ہے ۔ وہ اعلیٰ عدالت ہے جس سے مراد وہ عدالت ہے جس کو حکومت کی طرف سے اپیل کی سماعت کا اختیار دیا گیا ہو جیسے عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس میں قاضی القضاۃ کا منصب تھا جس کو دیگر قاضیوں کے کئے ہوئے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کا اختیار بھی تھا ۔ اسی طرح عہد مغلیہ میں مال کے مقدمات کی سماعت قاضی کرتا تھا اور ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل دیوان صوبہ یا دیوان اعلیٰ کی عدالت میں ہوتی ۔ وہ مقدمات فوجداری اور دیوانی جن کا تعلق منصب سے ہوتا ان کی سماعت

---

[1] ابن ہمام ، فتح القدیر (باب التعزیر) المکتبۃ الرشید ، کوئٹہ ، ج ۴ ، ص ۳۴۵

بھی قاضی کرتا تھا لیکن اس کے فیصلے کے خلاف اپیل صوبہ کے صدر قاضی یا میر عدل کے پاس ہوتی۔ اور پھر ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل صدر الصدور کے ہاں ہوتی۔

اپیل کی ان عدالتوں میں مقدمات کی تفتیش بڑی احتیاط سے ہوتی کیونکہ ہر شخص کو یہ خوف ہوتا کہ کہیں بادشاہ تک یہ خبر نہ پہنچے کہ انصاف کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اگر فریقین پھر بھی مطمئن نہ ہوتے تو پھر انہیں قاضی القضاۃ کے پاس اپیل کی اجازت ہوتی۔ اس عدالت میں بھی بڑی احتیاط سے مقدمہ کی تفتیش ہوتی اور فیصلہ سنایا جاتا۔[1]

اپیل کا یہ نظام پاکستان میں بھی رائج ہے اور مختلف مالی، دیوانی اور فوجداری مقدمات کی اپیلوں کی سماعت کا اختیار مختلف عدالتوں کو دیا گیا ہے جیسے مالی مقدمات میں اپیل کی اعلیٰ عدالت صوبائی بورڈ آف ریونیو ہے۔ دیوانی و فوجداری مقدمات میں اپیل کی آخری عدالت سپریم کورٹ ہے۔

سوم شاہی عدالت تیسری وہ عدالت جہاں اپیل کے لیے رجوع کیا جا سکتا ہے وہ شاہی عدالت یا حاکم وقت کی عدالت ہے۔ اس عدالت میں اپیل کی صورت عدالت عالیہ میں اپیل کی صورت سے مختلف ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں شاہی عدالت کا وجود دو صورتوں میں موجود تھا۔

۱۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے پاس عدالتی اختیار ہونا۔

۲۔ باقاعدہ شاہی عدالت کا قیام۔

اوّل صورت اوّل صورت میں اپیل کی یہ صورت تھی کہ حاکم وقت کو شریعت سزا کی معافی کا اختیار دیتی ہے۔ اسی اختیار کے پیشِ نظر سزا یافتہ شخص عدالت کے فیصلے کو درست تسلیم کرتا ہے لیکن اس سزا کی معافی کے لیے اسلامی ریاست کے سربراہ کے پاس اپیل کرتا۔ فقہائے کرام نے اس ضمن میں درج ذیل شرائط عائد کی ہیں:

---

(1) M.B. Ahmad, The Administration of Justice in Medeival India. Aligrah Historical Research Institut Aligrah,1941, p.68

Wahid Hussain, Administration Justice during Muslim Rule in India. Calcutta, Calcutta University,1934 p.171

۱۔ وہ سزا تعزیر کی صورت میں ہو۔

۲۔ جس جرم میں سزا دی گئی ہو وہ معاملہ حقوق اللہ سے متعلق ہو۔ کیونکہ حقوق العباد کے مقدمات میں دی گئی تعزیری سزا معاف کرنا حاکم وقت کے اختیار میں نہیں ہے۔

بہرحال شریعت حاکم وقت کو تعزیرات میں یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ مجرم کو دی گئی تعزیری سزا مکمل معاف کر دے یا اس میں کمی کر دے بشرطیکہ اس معافی میں کوئی مصلحت ہو۔

اس لیے علامہ ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں :

"ان العفو للمجنی علیہ للامام قال صاحب القنیۃ[۱] ولعل ما قالوہ فی التعزیر الواجب حقًا للہ تعالیٰ۔ اذا جنی علی انسان فھذا مخالف ومالم ینص علیہ اذا رای الامام المصلحۃ[۲]"

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ صاحب القنیہ نے حاکم وقت کے تعزیر میں معافی کے اختیار کا ذکر کرتے وقت کہا ہے۔ کہ یہاں پر تعزیر سے مراد سزا ہے جو حقوق اللہ کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کے جرم سے متعلق ہو۔

اور جب جرم کسی انسان سے متعلق ہو تو اس جرم میں دی گئی سزا تعزیری حاکم وقت بھی معاف نہیں کر سکتا۔ اول صورت میں حاکم وقت اس صورت میں معاف کر سکتا ہے جب وہ اس معافی میں مصلحت دیکھے۔

صاحب القنیہ نے چونکہ حاکم وقت کی طرف سے دی گئی تعزیری سزا کی معافی کے متعلق دو قول تحریر کیے ہیں۔

ایک قول کے مطابق حاکم وقت کو تعزیری سزا میں معافی کا اختیار دیا گیا دوسرے میں نہیں تو اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین نے اس بات کی وضاحت کی کہ اول قول حقوق اللہ سے متعلق ہے اور دوسرا حقوق العباد سے متعلق البتہ حقوق اللہ میں بھی یہ معافی تعزیری جرائم میں ہوگی نہ کہ حدود کے

۱۔ صاحب القنیہ سے مراد علامہ منصور بن یونس بھوتی ہیں جنہوں نے کشاف القناع عن متن الاقناع کے نام سے ایک بڑی ضخیم کتاب تحریر کی ہے جو عالم الکتب بیروت ۱۹۸۳ء سے شائع ہوئی ہے اور اس مسئلہ کا ذکر جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۱۲۴ پر ہے۔

۲۔ ابن عابدین، رد المحتار، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، (باب التعزیر) ج ۳، ص ۱۸۷، ابن ہمام، فتح القدیر ج ۵، ص ۱۱۳

جرائم ہیں جیسے جھوٹی قسم اٹھانے کا جرم تعزیری ہے۔

حاکم وقت کو تعزیری سزا معاف کرنے کا اختیار جن احادیث سے ملتا ہے ان میں سے چند ایک ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تجاموا عن عقوبة ذوی المروأة"[1]

صاحب مروت کو سزا دینے سے بچو۔

۲۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اقیلوا من ذوی[2] الہیات عثراتهم الا الحدود"[3]

اہل ہیئت افراد کی لغزشوں سے حدود کے سوا درگذر کرنے کی کوشش کرو۔

۳۔ انصار مدینہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الانصار کرشی وعیبتی والناس سیکثرون ویقلون واقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم"[4]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انصار میرا معدہ اور زنبیل ہیں اور لوگ تو بڑھتے جائیں گے مگر انصار کم ہوتے جائیں گے۔ تم لوگ ان میں سے ان کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرو اور خطاکاروں کی خطا سے درگذر کرو۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت مروی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

"ان رجلا اصاب من امراة قبلة الخ"

---

[1] ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، اسلامی قوانین حدود، قصاص تعزیرات، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۳۰

[2] ذوی الہیات کا معنی ہے "الذین لیسوا یعرفون بالشر فیزل احدهم الزلة" یعنی وہ لوگ جو برائی کی وجہ سے عام معروف نہ ہوں اور ان میں سے کوئی کسی برائی کا ارتکاب کرے (بیہقی، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۳۴)

[3] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، ولی محمد، کراچی، ۱۳۶۹، (کتاب الحدود) ج ۲ ص ۶۰۱

[4] امام بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب المناقب) ج ۱ ص ۵۳۶

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے ایک عورت سے بدفعلی کے علاوہ ہر طرح کا فائدہ اٹھایا۔ اس جرم میں مجھے سزا دیجیے تو آپ نے فرمایا تم نے میرے ساتھ نماز نہیں ادا کی اس نے عرض کی جی ہاں، آپ نے فرمایا:

"ان الحسنات یذھبن السیئات" [1]

بے شک نیکیاں گناہوں کو کھا جاتی ہیں۔

۵۔ حضرت زبیر بن عوام اور ایک انصاری کے درمیان زمین کی سیرابی پر جھگڑا ہوا دونوں آپ کے پاس فیصلہ لینے کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا:

اسق انت یا زبیر ثم ارسل الماء الی جارك فقال الانصاری یا رسول اللہ ان کان عمتك فتلون وجهه ثم قال اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر ثم ارسل الماء الی جارك [2]

اے زبیر تم اپنی زمین سیراب کرو پھر انصاری اپنی زمین سیراب کرے یہ سن کر انصاری نے کہا۔ یا رسول اللہ بے شک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اور یہ بات آپ کو ناگوار گذری۔ پھر آپ نے فرمایا اے زبیر تم اپنی زمین میں پانی آنے دینا یہاں تک کہ پانی ٹخنوں تک چڑھ جائے اور پھر اس کے لیے چھوڑ دینا۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انصاری کی بات سن کر غصہ آیا جس پر تعزیری سزا دی جا سکتی تھی لیکن آپ نے اسے سزا نہ دی۔

۶۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مال کو تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا:

"یا محمد ما عدلت فی القسمة فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیه غضبا شدیداً" [3]

---

[1] بیہقی، سنن الکبری، (کتاب الحدود) دار الفکر، بیروت، ج ۸ ص ۲۴۱

بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب التفسیر، سورۃ ہود) ج ۲ ص ۶۷۸

[2] بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب التفسیر، سورۃ النساء) ج ۲ ص ۶۶۰

[3] ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، اصح المطابع، کراچی، ۱۳۶۸ھ ص ۳۰۸ - ۳۰۹

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس مال کی تقسیم میں عدل نہیں کیا آپ یہ سُن کر نہایت غضبناک ہوئے لیکن آپ نے اسے کوئی تعزیری سزا نہ دی۔

یہ تمام احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ حاکم وقت جہاں سزا کو معاف کرنے میں مصلحت تصوّر کرے تو اُسے اس شخص کو تعزیری سزا معاف کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

بشرطیکہ وہ سزا حدود سے متعلق نہ ہو۔ کیونکہ حدود کے جرم میں دی گئی سزا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صُورت میں بھی نہ خود معاف کیا اور نہ اس ضمن میں کسی کی سفارش کو جائز سمجھا۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک بار بنی تمیم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا چوری کے جرم میں پکڑی گئی مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی۔ جس پر چند صحابہ کرامؓ اس سزا کی معافی کی سفارش لے کر آئے، ان کی بات سُن کر آپ نے فرمایا:

ایھا الناس انما ھلك الذین من قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم شریف ترکوہ و اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد ایم اللہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا [1]

اے لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگ اس بنا پر ہلاک ہوگئے کہ ان میں سے اگر کوئی مالدار طاقتور چوری کا ارتکاب کرتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا اور اگر کمزور چوری کرتا تو اُس پر حد قائم کی جاتی۔ خدا کی قسم اگر اس کی جگہ فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے حدود میں کسی مصلحت کو دیکھا نہ سفارش تسلیم کی بلکہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا اُسے سزا دی۔

بہر حال یہ وہ پہلی صُورت ہے جس میں حاکم وقت کے پاس تعزیری سزا کی معافی یا کمی کی براہِ راست اپیل کی جا سکتی ہے۔

دوسری صُورت

حاکم وقت کے پاس اپیل کی دوسری صُورت یہ تھی کہ شاہی عدالت میں ایک خاص طریق کار کے مطابق اپیل کی جاتی۔ کیونکہ عہد بنی اُمیہ میں باقاعدہ طور پر

---

[1] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، نور محمد، کراچی ۱۳۸۱ھ، (کتاب الحدود) ص ۱۸۳

شاہی عدالت تشکیل دی گئی اور اس کے بعد شاہی عدالت کا یہ سلسلہ مغلیہ عہد تک رہا۔ ان شاہی عدالتوں میں تمام مقدمات کی خواہ وہ دیوانی معاملات سے متعلق ہوں یا فوجداری معاملات سے اپلیں دائر کی جاتیں۔

عہد مغلیہ کی شاہی عدالت کے متعلق واجد حسین اور بشیر احمد نے لکھا ہے:

کہ اگر قاضی القضاۃ کی عدالت میں پیش کئے گئے مقدمے کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنا ہوتی تو شاہی عدالت میں اس کی اپیل کی جاتی[1]

بہرحال ہر اعلیٰ عدالت اپنی ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل سن سکتی تھی اور حق اپیل کا ذکر فیصلے میں بھی کیا جاتا۔

مرافعہ کا طریق کار

شریعت اسلامیہ میں اپیل دائر کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ہر اسلامی ریاست میں اپیل کرنے کے اپنے اپنے اصول وضع کئے گئے بہرحال فقہاء کرام نے کتب فقہ میں اپیل کا یہ طریق کار تحریر کیا ہے۔

۱۔ کسی بھی فریق کو یہ اختیار ہے کہ قاضی کے فیصلے کے خلاف اسی قاضی کے سامنے نظر ثانی کے لیے یا کسی دوسرے قاضی کے سامنے اپیل پیش کرے جو مرافعہ سننے کا اہل ہو۔

۲۔ ان صورتوں میں پہلے فیصلے کی نقل باضابطہ طور پر پیش کرنا ہوگی جس پر نظر ثانی مطلوب ہے۔

۳۔ درخواست مرافعہ کے ساتھ وجوہ مرافعہ بھی داخل کرنا ضروری ہیں جس میں ان نقائص کی نشاندہی کی گئی ہو اور ان اسباب کو واضح کیا گیا ہو جن کی وجہ سے وہ فیصلہ فریق رافع کی نگاہ میں قابل رد یا لائق ترمیم ہے۔

۴۔ درخواست مرافعہ اس مدت کے اندر داخل کرنا ہوگی جو مدت مرافعہ کی درخواست قبول کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہو۔

۵۔ عدالت مرافعہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ درخواست اپیل کو سماعت کے لیے منظور کرے

---

(1) Wahid Hussain, Administration Justice during Muslim Rule in India. p.171
M.B. Ahmad, The administration of Justice in Medeival India. p.68

اگر وہ محسوس کرے کہ وجوہ مرافعہ معقول نہیں اور بادی النظر میں قابل رد ہیں تو اُسے رد کردے۔
۶ - اگر عدالت اپیل کی نگاہ میں درخواست مرافعہ قابل سماعت ہے تو وہ اس درخواست کو سماعت کے لیے منظور کرنے کے بعد فریق ثانی مرافع علیہ سے جواب طلب کرے۔
۷ - عدالت مرافعہ ہر دو فریق کی بحث زبانی بھی سن سکتی ہے اور تحریری بھی۔
۸ - اگر مرافعہ میں حکم سابق پر عمل روکنے کی درخواست کی گئی ہو تو قاضی مقدمہ کی نوعیت اور فریق درخواست دھندہ کو فیصلہ پر عمل جاری رہنے کی صورت میں پہنچنے والے نقصان اور ضرر کو پیش نظر رکھ کر حکم دے گا[1]
۹ - اگر فریقین میں سے ایک نے ایک حاکم کے پاس مرافعہ دائر کیا اور دوسرے فریق نے کسی دوسرے فریق کے پاس مرافعہ دائر کیا اور اس وجہ سے کوئی اختلاف رائے پیدا ہو گیا تو اس حاکم کے فیصلے کو ترجیح حاصل ہو گی جس کے سامنے مدعا علیہ نے مرافعہ کیا[2]

وجوہ اپیل وجوہ اپیل سے مراد وہ اسباب و علل ہیں جن کی بنا پر ایک فریق قاضی کے فیصلے کے خلاف دوسری عدالت میں اپیل کر سکتا ہے۔ اگرچہ کتب فقہ میں ان وجوہ و علل کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ لیکن زیر نظر مقالہ میں ان میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اوّل۔ ادلہ اربعہ کے فیصلے کا ہونا اگر ایک قاضی احوال مقدمہ سے باخبر ہوتے ہوئے قرآن و سنت و اجماع اور قیاس کے خلاف صریحاً فیصلہ دے تو فریق مخالف کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اعلیٰ عدالت میں اس فیصلے کے خلاف اپیل کر سکے۔
امام عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) نے اپنی مصنف میں حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔
"اذا قضی القاضی بخلاف کتاب اللہ او سنۃ نبی اللہ او شئ مجتمع علیہ فان القاضی بعدہ یرّدہ فان کان شیئا برای

---

[1] مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، قیمس بکس، لاہور، ۱۹۹۰ء ص ۳۵۸
[2] مجلہ الاحکام العدلیہ، (ترجمہ عبدالقدوس ہاشمی) محکمہ اوقاف، لاہور، ۱۹۸۱ء (دفعہ نمبر ۱۸۰۳) ص نمبر ۳۲۴۔

شاہی عدالت تشکیل دی گئی اور اس کے بعد شاہی عدالت کا یہ سلسلہ مغلیہ عہد تک رہا ۔ ان شاہی عدالتوں میں تمام مقدمات کی خواہ وہ دیوانی معاملات سے متعلق ہوں یا فوجداری معاملات سے اپیلیں دائر کی جاتیں ۔

عہدِ مغلیہ کی شاہی عدالت کے متعلق واجد حسین اور بشیر احمد نے لکھا ہے :

کہ اگر قاضی القضاۃ کی عدالت میں پیش کئے گئے مقدمے کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنا ہوتی تو شاہی عدالت میں اس کی اپیل کی جاتی [1]

بہر حال ہر اعلیٰ عدالت اپنی ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل سُن سکتی تھی اور حق اپیل کا ذکر فیصلے میں بھی کیا جاتا ۔

مرافعہ کا طریق کار

شریعت اسلامیہ میں اپیل دائر کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ہر اسلامی ریاست میں اپیل کرنے کے اپنے اپنے اصول وضع کئے گئے بہر حال فقہاء کرام نے کتب فقہ میں اپیل کا یہ طریق کار تحریر کیا ہے ۔

۱ ۔ کسی بھی فریق کو یہ اختیار ہے کہ قاضی کے فیصلے کے خلاف اسی قاضی کے سامنے نظر ثانی کے لیے یا کسی دوسرے قاضی کے سامنے اپیل پیش کرے جو مرافعہ سننے کا اہل ہو ۔

۲ ۔ ان صورتوں میں پہلے فیصلے کی نقل باضابطہ طور پر پیش کرنا ہوگی جس پر نظر ثانی مطلوب ہے ۔

۳ ۔ درخواست مرافعہ کے ساتھ وجوہ مرافعہ بھی داخل کرنا ضروری ہیں جس میں ان نقائص کی نشاندہی کی گئی ہو اور ان اسباب کو واضح کیا گیا ہو جن کی وجہ سے وہ فیصلہ فریق رافع کی نگاہ میں قابل رد یا لائق ترمیم ہے ۔

۴ ۔ درخواست مرافعہ اس مدت کے اندر داخل کرنا ہوگی جو مدت مرافعہ کی درخواست قبول کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہو ۔

۵ ۔ عدالت مرافعہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ درخواست اپیل کو سماعت کے لیے منظور کرے

---

(1) Wahid Hussain, Administration Justice during Muslim Rule in India. p.171
M.B. Ahmad, The administration of Justice in Medeival India. p.68

اگر وہ محسوس کرے کہ وجوہ مرافعہ معقول نہیں اور بادی النظر میں قابل رد ہیں تو اُسے رد کردے۔

۶۔ اگر عدالت اپیل کی نگاہ میں درخواست مرافعہ قابل سماعت ہے تو وہ اس درخواست کو سماعت کے لیے منظور کرنے کے بعد فریق ثانی مرافع علیہ سے جواب طلب کرے۔

۷۔ عدالت مرافعہ ہر دو فریق کی بحث زبانی بھی سُن سکتی ہے اور تحریری بھی۔

۸۔ اگر مرافعہ میں حکم سابق پر عمل روکنے کی درخواست کی گئی ہو تو قاضی مقدمہ کی نوعیت اور فریق درخواست دہندہ کو فیصلہ پر عمل جاری رہنے کی صورت میں پہنچنے والے نقصان اور ضرر کو پیش نظر رکھ کر حکم دے گا[1]

۹۔ اگر فریقین میں سے ایک نے ایک حاکم کے پاس مرافعہ دائر کیا اور دوسرے فریق نے کسی دوسرے فریق کے پاس مرافعہ دائر کیا اور اس وجہ سے کوئی اختلاف رائے پیدا ہوگیا تو اس حاکم کے فیصلے کو ترجیح حاصل ہوگی جس کے سامنے مدعا علیہ نے مرافعہ کیا[2]

وجوہ اپیل وجوہ اپیل سے مراد وہ اسباب و علل ہیں جن کی بنا پر ایک فریق قاضی کے فیصلے کے خلاف دوسری عدالت میں اپیل کرسکتا ہے۔ اگرچہ کتب فقہ میں ان وجوہ و علل کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ لیکن زیر نظر مقالہ میں ان میں سے چند اہم اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اوّل۔ ادلہ اربعہ کے فیصلے کا ہونا اگر ایک قاضی احوال مقدمہ سے باخبر ہوتے ہوئے قرآن وسنت و اجماع اور قیاس کے خلاف صریحاً فیصلہ دے تو فریق مخالف کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اعلیٰ عدالت میں اس فیصلے کے خلاف اپیل کرسکے۔

امام عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) نے اپنی مصنف میں حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"اذا قضی القاضی بخلاف کتاب اللہ او سنۃ نبی اللہ او شئ مجتمع علیہ فان القاضی بعدہ یردہ فان کان شیئا برای

---

[1] مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت، فیمس بکس، لاہور، ۱۹۹۰ء ص ۳۵۴

[2] مجلۃ الاحکام العدلیہ، (ترجمہ عبدالقدوس ہاشمی) محکمہ اوقاف، لاہور، ۱۹۸۱ء (دفعہ نمبر ۱۸۰۳) ص نمبر ۲۲۳۔

الناس لم يردّه و تحمل ذلك ما تحمل[1]

ترجمہ :۔ جب کوئی قاضی کتاب اللہ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف یا کسی ایسے حکم کے خلاف جو امت میں اجماع کی صورت میں طے شدہ قرار دیا گیا ہو فیصلہ دے تو بعد والا قاضی اس کو مسترد کر دے گا۔ ہاں اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کا تعلق لوگوں کی رائے اور اجتہاد سے ہے تو اس کو مسترد نہ کیا جائے گا اس کی ذمہ داری اس پر ڈال دی جائے گی جس نے وہ ذمہ داری اٹھائی ہے۔

صحیح بخاری میں بھی اسی عنوان سے ایک باب باندھا گیا ہے۔

اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم رد[2]

اگر کوئی حاکم عدالت ظالمانہ فیصلہ کرے یا اہل علم کی متفقہ رائے کے خلاف ہو تو وہ فیصلہ واپس کر دیا جائے گا۔ جیسے طلاق صریح میں بھی رجوع کا اختیار دے دینا اگر کوئی قاضی اس رجوع کا اختیار دے تو یہ فیصلہ قابل ردّ ہو گا۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں تحریر کیا ہے۔

"بان لا یکون قطعی الدلالة وتقبیة السنة بان تکون مشهوره او متواتره[3]

یعنی قاضی کا فیصلہ قرآن پاک اور سنت متواترہ و مشہورہ کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اگر ان کے خلاف ہو تو اپیل کی جا سکتی ہے۔

امام سفیان ثوریؒ کے قول میں (جو پہلے نقل کیا گیا ہے) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اجماع کا بھی ذکر ہے۔

---

[1] عبد الرزاق، مصنف عبد الرزاق (حدیث نمبر ۱۵۲۹۸، ابواب القضاء، باب هل یرد قضاء القاضی او یرجع عن قضائه) منشورات مجلس علمی، ج ۸، ص ۳۰۲۔

[2] الجامع الصحیح (کتاب الاحکام، باب اذا قضی الحاکم بجور الخ) ج ۲ ص ۱۰۶۶

[3] ابن عابدین، رد المحتار، ج ۵ ص ۳۲۹

اجماع سے مراد علماء کے نزدیک اگرچہ صرف علماء دین کا اجماع ہے لیکن دور حاضر میں اجماع میں وہ حکم بھی آجاتا ہے جس پر قوم نے اتفاق کیا ہو جیسے پارلیمنٹ میں بل کے ذریعہ کوئی قانون واضع ہوا ہو۔ یا باختیار سیاسی اتھارٹی کے حکم پر۔ یا اختلافی یا اجتہادی معاملات میں اگر جائز و عادل حکمران (اولی الامر) کوئی فیصلہ کر دے تو وہ بھی واجب التعمیل ہو جاتا ہے۔ ایسے اجماع کے ~~[illegible]~~ اگر کوئی قاضی فیصلہ کرے تو اس کے خلاف بھی اپیل نہیں ہو سکے گی۔

علامہ ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) نے اجماع کے علاوہ قیاس کے خلاف بھی اپیل نہ کرنے کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"قد نص العلماء على ان حكم الحاكم لا يستوفى اربع مواقع وينقض اذا وقع على خلاف الاجماع او القواعد او النص الجلي او القياس[1]

علماء نے اس بات پر فیصلہ کیا ہے کہ حاکم کا فیصلہ چار مواقع پر معطل کر دیا جائے گا۔

۱۔ اس کا فیصلہ اجماع کے خلاف ہو۔ ۲۔ بنیادی شرعی احکام کے خلاف ہو۔ ۳۔ نص جلی واضح احکام شریعہ کے خلاف ہو۔ ۴۔ قیاس (صریح) کے خلاف ہو۔ قواعد، قیاس یا نصوص کے مخالف فیصلے کا رد کرنا اس صورت میں ہوگا جب کہ معارض دلیل لائق ترجیح موجود ہو بصورت دیگر فیصلہ رد نہ ہوگا جیسے۔ عقد قراض[2]، عقد مساقات[3]، بیع سلم اور حوالہ[4] وغیرہ اگرچہ یہ معاہدے عام

---

[1] ابن ہمام، فتح القدیر، ج ۵ ص ۴۸۷۔

[2] عقد قراض سے مراد فریقین کے درمیان وہ معاہدہ ہے جس میں ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے دیتا ہے کہ وہ اس مال کے نفع میں سے ایک مقررہ حصہ کے عوض اور مخصوص شرائط کیساتھ اس مال کو تجارت میں لگائے۔ مضاربت بھی اسی کا دوسرا نام ہے (عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ، ج ۲ ص ۸۱۱۔

[3] مساقاۃ سے مراد آبپاشی کے عوض شرکت کرنا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک پودوں میں پھل کا حصہ مقرر کر کے شراکت میں پانی دینا جائز نہیں جب کہ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) کے نزدیک یہ اس وقت جائز ہے جب دونوں کوئی مدت متعین کریں اور پھل کے حصے مقرر کریں۔ (امام قدوری، المختصر قدوری، سراج دین پبلشرز، لاہور، ص ۱۵۶

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے

قواعد و قیاس کے خلاف ہیں مگر دیگر دلائل کی بنا پر یہ عقود یا معاہدے شریعت میں معتبر ہیں۔ ان کے خلاف کسی قاضی کا فیصلہ دینا درست نہیں ہوگا اگر دے تو اس کے خلاف اپیل ہوگا۔

البتہ اگر کسی قاضی نے کسی مقدمہ سود کی ڈگری دے دی تو یہ فیصلہ اعلیٰ عدالت میں قابل اپیل ہوگا۔ کیونکہ سود کی حرمت قرآن پاک اور حدیث شریف یا نص جلی سے ثابت ہے۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"اذا رفع الی القاضی حکم حاکم امضاه الا ان یخالف الکتاب او السنة او الاجماع بان یکون قولا لا دلیل علیه" [1]

یعنی جب قاضی کے پاس کسی حاکم کے حکم کا مرافعہ کیا جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے گا بشرطیکہ وہ قرآن پاک یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع کے خلاف نہ ہو یا ایسا کوئی فیصلہ ہو جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسے کوئی قاضی ساس سے نکاح کی حلت کا فیصلہ دے تو یہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ قرآن کی اس آیت "حرمت علیکم امهاتکم... وامهات نسائکم" [2] (تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری ازواج کی مائیں حرام کی گئی ہیں) کے خلاف ہے۔

سنت متواترہ کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی زوج ثانی کے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے بغیر مطلقہ ثلاثہ کی پہلے شوہر سے دوبارہ عقد نکاح کی اجازت دے تو یہ قابل رد ہوگا کیونکہ یہ حدیث رفاعہ کے خلاف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

---

[4] بیع سلم اس بیع کو کہتے ہیں جس میں نقد دام کے عوض مال ادھار لینا ہو۔ یہ صرف ناپ کر، تول کر، یا گنتی سے فروخت ہونے والی اشیاء میں جائز ہے (عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ، ج ۲، ص ۴۰۹-۴۱۰)

[5] حوالہ سے مراد یہ ہے کہ مقروض اپنے قرض دار کے مطالبہ پر وہ قرض کی رقم کسی دوسرے شخص پر اس قرض کے عوض ڈال دے جو اس شخص سے اس نے لینا ہے۔ اس طرح قرض کے منتقل کر دینے سے مقروض اپنے قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے (کتاب الفقہ ج ۳ ص ۲۴۲)

[1] مرغینانی، ہدایہ اخیرین، ص ۱۴۱

[2] نسائی : ۴:۲۳

"لا حتی تذوقی من عسیلتہ ویذوق من عسیلتك" [1]

جب تک شوہر بیوی اور بیوی شوہر سے لطف اندوز نہ ہو اس وقت تک طلاق ثلاثہ کے بعد اوّل شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔

مخالفت اجماع کی مثال نکاح متعہ ہے جس کی حرمت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے [2] اسی طرح وہ جانور جس کے ذبح کے وقت ارادۃً "بسم اللہ" کو ترک کیا گیا ہو اس جانور کی بیع کو اگر قاضی نے جائز قرار دیا ہو تو اس کے خلاف اپیل ہوگی اور اپیل میں اس فیصلے کو رد کیا جائے گا کیونکہ ایسے جانور کی فروخت کی ممنوعیت پر بھی صدر اوّل میں اجماع ہوا ہے [3]

دوم۔ اجتہادی مسئلہ میں اپیل اگر قاضی نے کسی اجتہادی مسئلہ میں کوئی فیصلہ دیا تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت: اس مسئلہ کے "مجتہد فیہ [4]" ہونے پر اجماع ہو چکا ہو۔

دوسری صورت: اس مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے پر اجماع نہ ہوا ہو بلکہ اختلاف ہو۔

پہلی صورت پہلی صورت میں پھر یہ دیکھا جائے گا مجتہد فیہ مسئلہ "محکوم بہ [5]" ہے۔ اگر مجتہد فیہ مسئلہ محکوم بہ ہے اور اُسے اپیل کے لیے دوسرے قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا تو یہ دوسرا قاضی اسے معطل نہیں کر سکتا بلکہ اسی فیصلے کو ہی برقرار رکھے گا کیونکہ اس فیصلے کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے۔

۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب الطلاق، باب اذا طلقها ثلاثة الخ) ج ۲، ص ۸۰۱

۲۔ محمد حنیف گنگوہی، طلوع النیرین شرح ہدایہ اخرین، المکتبہ الاشرفیہ، لاہور (ت۔ن) ج ۲ ص ۱۶۳

۳۔ ایضاً

۴۔ مجتہد فیہ سے مراد وہ مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔

۵۔ محکوم بہ سے مراد وہ حکم ہے جو حاکم نے محکوم علیہ پر لازمی قرار دیا ہو۔ قضاء الالزام میں مدعی کے حق کا ادا کرنا اور قضاء الترک میں مدعی کا جھگڑے کے باز آجانا اور اسے ترک کرنا کہتے ہیں۔

اس اصول کے مطابق مجتہد فیہ مسئلہ میں قاضی کو بالاجماع اختیار ہے اگر دوسرا قاضی اس فیصلے کو معطل کرے گا یا غلط قرار دے گا تو گویا اپنی رائے پر عمل کر کے توڑے گا اور یہ جائز نہیں۔

یہ تنسیخ اس لیے بھی جائز نہیں کہ اگر دوسرے قاضی کو اس صورت میں تنسیخ کی اجازت دی جائے تو پھر مدعی اُسے کسی بھی ایسی عدالت میں لے جائے گا جسکی رائے اس دوسرے قاضی کی رائے سے مختلف ہو اور وہ اس کی تنسیخ کو منسوخ کر دیگا اور پہلے قاضی کا فیصلہ بحال کر دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جھگڑا او مقدمہ بازی کبھی ختم نہ ہوگی اور یہی مقدمہ بازی باعث فساد ہوتی ہے۔

البتہ اگر وہ فیصلہ خود مجتہد فیہ ہو۔ جیسے حُر (آزاد) کے خلاف حجر[۱] کا فیصلہ دینا یا غیر حاضر فریق کے خلاف فیصلہ دینا۔ اس صورت میں اپیل ہونے پر قاضی کو اختیار ہے کہ اگر اس کا اجتہاد پہلے قاضی کے اجتہاد کے خلاف ہے تو اس کا فیصلہ منسوخ کر دے کیونکہ اس صورت میں قاضی اول کے فیصلے کی صحت پر اجماع نہیں بلکہ محض اُسے درست مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک باطل بھی ہے۔ اس حیثیت میں اس کے فیصلے پر نظر ثانی ہوسکتی ہے اور اس کے فیصلے کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

دوسری صورت فیصلے کی دوسری صورت یہ تھی کہ وہ فیصلہ ایسا ہے جس کے مجتہد فیہ ہونے پر اختلاف ہے جیسے ام[۲] ولد کی فروخت۔ تو اس صورت میں قاضی اول کے فیصلے کو برقرار رکھنے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک ایسا فیصلہ نافذ کر دیا جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ جب کہ امام محمد کی رائے میں یہ فیصلہ قابل نفاذ نہیں اس لیے کہ صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ ام ولد کی فروخت جائز نہیں اس طرح یہ مجتہد فیہ کی قسم سے خارج ہو گیا۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک بعد میں ہونے والا اجماع

---

[۱] ایک آدمی کو جائیداد میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے سے روکنا کہ دوسرا شخص اس میں اس کے قائم مقام ہو جائے حجر کہلاتا ہے۔

[۲] علاءالدین کاسانی، بدائع، ترجمہ خان محمد چاولہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۴-۵۱

تو سابقہ اختلاف کو ختم نہیں کرتا جب کہ امام محمد کے نزدیک سابقہ اختلاف کو رفع کر دیتا ہے۔
بہر حال اگر تو دوسرے قاضی کی رائے میں یہ معاملہ مجتہد فیہ ہو تو وہ پہلے قاضی کے فیصلے کو نافذ کر دے گا اور منسوخ نہیں کرے گا اور اگر دوسرے قاضی کی رائے میں یہ مسئلہ مجتہد فیہ نہیں بلکہ متفق علیہ بن چکا ہو تو وہ قاضی اول کے فیصلے کو منسوخ کر دے گا[1]

سوم۔ قاضی کا فیصلہ تحقیق واقعہ اور استخراج حکم شرعی پر مبنی ہونا

اگر قاضی نے حقیقت واقعہ کو شہادت اور دیگر ذرائع ثبوت کی روشنی میں متعین کیا اور پھر دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس صورت حال کا حکم شرع متعین کیا تو اس دوران اگر اصل حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں قاضی سے غلطی ہو تو فریق ثانی عدالت اپیل کو اس صورت حال سے آگاہ کر سکتا ہے اور عدالت اپیل اس بات کے درست ثابت ہونے پر قاضی اوّل کے فیصلے کو رد کر دے گی[2]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہو گا کہ کسی واقعہ کے ثبوت کے لیے شریعت نے جو ذرائع متعین کئے ہیں ان میں سے بعض متفقہ ہیں جیسے دو عادل مسلمانوں کی شہادت اور بعض میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے فریق مدعی کے پاس اگر ایک شہادت ہے تو بعض فقہاء دوسری شہادت کے عوض مدعی سے حلف لے کر اس کے دعویٰ کو ثابت تسلیم کرتے ہیں۔

اگر قاضی نے ایسی مختلف فیہ جہتوں کی بنیاد پر اپنے مسلک کے مطابق کسی واقعہ کو درست تسلیم کر لیا تو عدالت اپیل اسے رد نہیں کر سکے گی[3]

چہارم۔ بلا دلیل فیصلہ کرنا

چوتھی صورت جس میں قاضی اول کے فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے یہ ہے کہ اگر قاضی نے بغیر کسی دلیل کے کسی مقدمہ کا فیصلہ کر دیا ہو جیسے کسی شخص کا دوسرے شخص پر کوئی حق ثابت ہو لیکن قاضی اس بنا پر اس کا حق باطل

---

[1] علاء الدین کاسانی، بدائع صنائع، ترجمہ خان محمد چاولہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۵۴-۵۶

[2] مجاہد الاسلام قاسمی۔ اسلامی عدالت، ص ۳۶۲ -

[3] ایضاً

قرار دے دے کہ مدت دراز تک اس حق کا مطالبہ نہیں کیا گیا تو عدالت اپیل کے ہاں اس فیصلے کی اپیل ہو سکتی ہے اور عدالت اپیل مدعی کی یہ بات درست ثابت ہونے پر قاضی کا فیصلہ رد کر دے گی اس لیے کہ تاخیر حق کا مطالبہ موجب بطلان قرار دیا جانا کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں [1]

پنجم اگر قاضی نے اپنی رائے کے خلاف کسی اور مجتہد کی رائے کے مطابق کسی مقدمہ کا فیصلہ دیا ہو اور وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہو اور جو رائے قاضی نے اختیار کی ہو وہ قول شاذ پر مبنی نہ ہو تو اس صورت میں اگر یہ فیصلہ قاضی مجتہد ہو تو یہ فیصلہ اسی صورت میں نافذ رہے گا اگرچہ قاضی نے ایسا ارادۃً کیا ہو یا نسیاناً۔ اور عدالت اپیل اس فیصلے کو رد نہیں کرے گی۔ البتہ اگر یہ فیصلہ قاضی مقلّد کا ہے اور اس نے یہ فیصلہ نادانستہ طور پر کیا ہو تو عدالت اپیل میں اپیل قابلِ سماعت ہوگی اور ایسا ثابت ہو جانے پر عدالت اپیل اس فیصلے کو رد کر دے گی [2]

ششم۔ شہادتوں کا مشکوک ہونا قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل ہونے کی چھٹی صورت یہ ہے کہ اگر وہ فریق جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہو یہ دیکھے کہ قاضی نے جن شہادتوں کی بنا پر فیصلہ دیا ہے وہ شہادتیں مشکوک تھیں یا گواہ محدود فی القذف تھے، غلام تھے یا غیر مسلم وغیرہ وغیرہ تو وہ فریق اس بنا پر بھی عدالت اپیل میں مرافعہ کر سکتا ہے اور اگر عدالت اپیل کا قاضی بھی گواہوں کی شہادتوں میں مشکوک ہو تو وہ گواہوں کو براہِ راست اپنے اجلاس میں طلب کر سکتا ہے اور اگر تاریخ شہادت سے پہلے گواہ کا مجروح ہونا ثابت ہو جائے تو فیصلہ رد کر دیا جائے گا [3]

ہفتم۔ عداوت کی بنا پر فیصلہ اگر مرافع یہ دعویٰ کرے کہ قاضی یا اس کے والدین یا اس کی اولاد اور فریق مرافع کے مابین عداوت ہے اور اسی عداوت کی بنا پر قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ تو اس بنا پر اپیل ہو سکتی ہے عدالت

---

[1] اکمل الدین محمد بن محمود، شرح العنایہ علی الہدایہ، ج ۷ ص ۲۷۰۰

[2] ابن عابدین، رد المحتار، ج ۴ ص ۳۳۴

[3] ایضاً ص ۳۴۱-۳۴۲

مرافعہ کو دورانِ سماعت اگر اس قسم کی عداوت کا ثبوت مل جائے کہ فیصلہ ذاتی عداوت کی بنا پر کیا گیا ہے تو عدالت مرافعہ اس فیصلے کو رد کر دے گی [۱]

یہ وہ اہم وجوہات ہیں جن کی بنا پر فریقِ مقدمہ میں سے جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے یا جو فریق قاضی کے فیصلے کو درست نہ ماننے عدالت مرافعہ میں اپیل کر سکتا ہے۔

قاضی کن صُورتوں میں اپنے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے

اگر قاضی سے فیصلہ کرتے وقت کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔ اگرچہ فریقِ مقدمہ اس کوتاہی کی بنیاد پر اپیل بھی کرے تو پھر بھی قاضی اپنے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے۔ بلکہ اُسے چاہیے کہ اپنے اس فیصلے سے رجوع کر کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے۔ البتہ اگر وہ ایسا معاملہ ہے جس میں فقہاء کے مابین اختلاف رہا ہو۔ تو اس صورت میں سابقہ فیصلہ کو ہی جاری کر کے آئندہ کسی مقدمہ میں نئی رائے پر عمل کر سکتا ہے۔

اگر قاضی نے کوئی فیصلہ کیا بعد میں اُسے علم ہوا کہ قرآن و سنت میں کوئی ایسا واضح حکم موجود ہے جو اس کے فیصلے سے متصادم ہے تو اس کو چاہیے کہ فیصلہ کو کالعدم قرار دے دے اور اس واضح حکم کے مطابق فیصلہ کرے۔ چنانچہ بحر الرائق میں علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے لکھا ہے:

"للقاضی ان یرجع عن قضائه ان کان خطا" [۲]

اگر قاضی سے فیصلہ کرتے وقت غلطی ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے کئے ہوئے فیصلے سے رجوع کرے۔

اس بات کی بنیاد وہ خط ہے جو حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔ جس میں آپ نے فرمایا:

"ولا یمنعك قضاء قضیته بالامس راجعت فیه نفسك وهدیت فیه لرشدك ان تراجع الحق فان الحق قدیم ومراجعة

---

[۱] ابن عابدین، ردالمحتار، ج ۴ ص ۳۳۴، ۳۴۱، ۳۴۲

[۲] زین الدین ابن نجیم، بحر الرائق، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، ج ۶ ص ۲۵۸

الحق خیر من التمادی فی الباطل[1]

اگر تم نے کل کوئی فیصلہ کیا ہے اور آج تم نے اس پر دوبارہ غور و فکر کیا ہے اور تم کو راہِ راست کی طرف راہنمائی حاصل ہوگئی ہو تو محض یہ بات کہ تم کل ایک فیصلہ کر چکے ہو ہرگز ہرگز حق کی طرف رجوع کرنے سے باز نہ رکھے اس لیے کہ حق ایک اٹل حقیقت ہے۔ باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ حق کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

کن صورتوں میں اپیل نہیں ہو سکتی

فقہاء کرام نے جس طرح ان صورتوں کا ذکر کیا ہے جن میں فریق مخالف کو قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح ان صورتوں کا بھی فقہاء نے ذکر کیا ہے جن میں قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل نہیں کی جا سکتی۔ یا اگر کوئی اپیل کرے تو عدالت اپیل اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی۔ ان میں سے چند اہم صورتیں یہ ہیں۔

اول ؛ کسی واقعہ کے ثبوت میں شریعت اسلامیہ نے جو ذرائع مقرر کیے ہیں ان میں سے بعض متفقہ ہیں جیسے دو عادل مسلمانوں کی گواہی اور بعض میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے فریق مدعی کے پاس اگر ایک شہادت ہے تو بعض فقہاء دوسری شہادت کے عوض مدعی سے حلف لے کر اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر قاضی اول نے ایسی مختلف فیہ حجتوں کی بنیاد پر اپنے مسلک کے مطابق کسی واقعہ کو تسلیم کر لیا تو عدالت اپیل اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی۔

دوم ؛ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی مقدمہ کے فیصلے کے متعلق علماء میں اختلاف ہو اور یہ اختلاف ضعیف روایات پر مبنی ہو اور قاضی اول کا فیصلہ کسی ایک امام کی رائے کے مطابق ہو تو عدالت مرافعہ اپنی رائے مختلف ہونے کے باوجود اس فیصلے کو رد نہیں کر سکتی[2]

اسی طرح تمام مجتہد فیہ امور میں عدالت مرافعہ قاضی اول کے فیصلے کو محض اس وجہ سے رد

---

[1] دارقطنی، سنن دارقطنی، سید عبداللہ ہاشم، مدینہ منورہ، ۱۹۶۶ء، (کتاب فی الاقضیۃ والاحکام)، ج ۴ ص ۲۰۶

[2] مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت ص ۳۶۲

نہیں کر سکے گی کہ اس کی رائے اس مسئلہ خاص میں قاضی اول کی رائے سے مختلف ہے جیسے زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے۔ ایسے مرد و عورت کا مقدمہ اگر شافعی قاضی کے سامنے پیش ہو جن کے مابین زنا کی وجہ سے حرمت مصاہرت پیدا ہوئی۔ اور امام شافعی کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت پیدا نہیں ہوتی اس لیے شافعی قاضی نے اس نکاح کی صحت کا حکم دے دیا اب اگر اس فیصلے کے خلاف مرافعہ قاضی حنفی کے سامنے پیش ہو تو حنفی قاضی اس فیصلے کو رد نہیں کر سکے گا۔[1]

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ طلاق بالجبر شوافع کے ہاں واقع نہیں ہوتی جب کہ احناف کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں عدالت مرافعہ اپنی رائے مختلف ہونے کے باوجود اسے رد نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ ہدایہ میں ہے۔

"اذا رفع الی القاضی حکم حاکم امضاہ الا ان یخالف الکتاب والسنۃ والاجماع .... وما اختلف فیہ الفقہاء فقضی بہ القاضی ثم جاء قاضی اخر یری ذلک یرہ"[2]

سوم : اگر قاضی نے اس طرح کا فیصلہ دیا ہے جو مختلف فیہ ہو اور عرف متغیر ہو گیا ہو۔ یا ضرورت پیدا ہو گئی ہو یا حالات تبدیل ہو چکے ہوں۔ تو ان بدلتے ہوئے حالات میں مصالح شرعیہ کے تقاضوں کے مطابق اور مفاسد کو دور کرنے کی خاطر قاضی ایک امام کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کرنا ضروری سمجھے تو ورنہ نہیں۔ اور اس طرح کا فیصلہ نافذ العمل رہے گا اور عدالت مرافعہ اسے رد نہیں کر سکے گی۔[3]

چہارم : اگر فیصلے کے بعد فریق مخالف یہ کہے کہ میں نے فلاں ثبوت پیش نہیں کیا اس لیے

۱۔ مجاہد الاسلام قاسمی، اسلامی عدالت ص ۳۶۲

۲۔ مرغینانی۔ ہدایہ، ج ۳ ص ۱۴۱

ابن نجیم، بحر الرائق، ج ۷ ص ۹

۳۔ ابن عابدین، رد المختار، ج ۴ ص ۱۲۶